© rasailojaraid.com

تعلیمی سامراجیت

سی کے راجو

تعلیمی سامراجیت کے متعلق بات چیت کرنے کا مقصد گفتگو برائے گفتگو نہیں بلکہ اس سامراجیت کے خاتمے کی کوشش ہے۔

تعلیمی سامراجیت پر بات کرنا صرف اس حد تک مفید ہے کہ یہ اس کی بنیادی وجوہات اور اس سے خلاصی حاصل کرنے کے متعلق بنیادی معلومات کے حصول میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس مضمون میں ان دونوں چیزوں کا خلاصہ اور پہلے بنیادی ترین قدم کو اٹھانے کی تجویز موجود ہے۔

مغربی تعلیم کی ترویج اس بنا پر کی جاتی ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ''مغرب کے ساتھ ہم رکاب'' ہونے میں یہ مددگار ثابت ہوگی اور اس طرح طاقتور مغرب کے شانہ بشانہ چلا جا سکے گا۔ اس یقین کی وجہ سے غیر مغربی اقوام مغرب کی تقلید کرتی ہیں۔

دوسری جانب آج کل کوئی سائنسی ایجاد یا دریافت اس وقت تک قابل قدر نہیں تسلیم کی جاتی جب تک مغرب اس پر مہر تصدیق ثبت نہ کردے (یعنی وہ کسی ''موقر'' یعنی مغربی رسالے میں شائع نہ ہو جائے)۔ یہ طریقہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ سائنس کے میدان میں غیر مغربی اقوام یا لوگ کبھی بھی مغرب کی ہمسری نہیں کر سکتے بلکہ انہیں پیچھے چھوڑنا تو درکنار، ان کے برابر بھی اس لیے نہیں ہو سکتے کہ ہمیشہ مغرب ہی کو کسی بھی جدت کے بارے میں سب سے پہلے علم ہوتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ جدت عوامی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دو خیالات/عقائد مل کر (کہ مغربی تعلیم سائنس کے لیے ضروری ہے اور یہ کہ سائنسی سچائی اور مہارت کی اصل کسوٹی مغرب کی توثیق ہے) ایک ایسی ترکیب بناتے ہیں جو غیر مغربی اقوام کے احساس کمتری کو دوام بخشتی ہے اور ٹیکنالوجی کے میدان میں فاصلے کو مستقل کرتی ہے۔ اس میدان میں غیر مغربی اقوام ہمیشہ مغرب کے نقش قدم پر چلتی ہیں لیکن ان کے پیچھے ہی پیچھے دوڑتی رہتی ہیں اور کبھی ان کے برابر نہیں آپاتیں۔

مثال کے طور پر، تقریباً دو صدیوں سے انڈیا میں مغربی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے لیکن ان تمام سالوں میں انڈیا ٹیکنالوجی کے میدان میں کبھی بھی مغرب کی ہمسری نہیں کرسکا۔ حتیٰ کہ جس کے متعلق وہ بہت شیخی بگھارتا رہا ہے یعنی خلائی پروگرام اس میں بھی مغرب سے کم از کم ۴۰ سال پیچھے ہے (انڈیا نے حال ہی میں چاند پر ایک بے آدم مشن بھیجا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج سے ۴۰ سال قبل امریکہ اپنا آدمی چاند پر اتار چکا تھا تقریباً اسی عرصے میں چین بھی آئی سی بی ایم کی ٹیکنالوجی حاصل کر چکا تھا)۔ Cryogenic (طبیعیات کی ایک شاخ) راکٹ ٹیکنالوجی، جو انڈیا میں استعمال ہوتی ہے، مغرب کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ مغرب تو اس بات پر خوش ہے کہ لاکھوں لوگ اس چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جو ٹیکنالوجی کے میدان میں کسی بھی طرح ان کے مقابلے کی نہیں۔

عراق اور افغانستان میں دیکھی جانے والی سامراجیت کی عمومی شکل کے برعکس، جس کے خلاف مزاحمت کی جاتی ہے اور اسے نکال باہر کیا جاتا ہے، تعلیمی سامراجیت خود اپنے اندر قوت نافذہ رکھتی ہے۔ عام لوگ بھی مغربی تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ شاید آگے چل کر یہ انفرادی سطح پر ان کے لیے کارآمد ثابت ہو اور اس کے ذریعے وہ حکمرانوں کا قرب حاصل کرسکیں۔ اس طرح وہ خود ہی وہ طرز عمل اور اقدار اپنا لیتے ہیں جو مغرب ان سے چاہتا ہے۔ مغرب کی یہ نرم اور غیر متشدد طاقت (Soft Power)، سامراجیت کی اصل اور مضبوط بنیاد ہے بہ نسبت اس کی سخت گیر طاقت (Hard Power) کے جو بصورت دیگر خطرے کی زد میں رہتی ہے۔

چنانچہ، ٹیکنالوجی کے میدان میں مغرب اور غیر مغربی اقوام کے مابین پایا جانے والا خلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نازک سا ہے۔ مثلاً ایٹم بم بنانا بہت آسان ہے۔ ایران جیسا ملک بھی، جسے اگر اجازت دے دی جائے، تو بغیر غیر ملکی مدد کے، بہت کم وقت میں اسے بنا سکتا ہے۔ اور اگر سیاسی دباؤ ہی وہ اصل ذریعہ ہے جس کے سہارے ٹیکنالوجی کے فرق کو برقرار رکھا جاتا ہے، تو مغرب کی پیروی یا نقالی کر کے اس خلا کو آخر کیسے پورا کیا جا سکتا ہے؟ دوسری جانب، روس کے پاس ابھی تک بے شمار ایٹم بم اور میزائل موجود ہیں لیکن سوویت یونین کے مغرب کی نرم طاقت کے سامنے مغلوب ہو جانے اور ایک بھی دھماکے کے بغیر اس کا شیرازہ بکھرنے سے یہ ہتھیار اب کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتے۔

چنانچہ، سامراجیت کی اصل قوت، اس کی غیر متشدد طاقت ہے نہ کہ اس کی سخت گیر طاقت۔ مغرب کو اپنی سخت گیر طاقت کو درپیش خطرات کی حفاظت کے لیے غیر متشدد طاقت کی لیپاپوتی کرنے کی ضرورت ہے۔ مغرب کی نقالی محض اس کی غیر متشدد طاقت کو مضبوط کرتی ہے اور اس کی سخت گیر یا انتہا پسند قوت کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاتی (اس قوت کی بنیاد ٹیکنالوجی کے میدان میں فاصلے پر ہے)۔

مغرب کی موجودہ غیر متشدد طاقت نے نو آبادیاتی نظام کے دوران جنم لیا۔ عام فوجی فتوحات کے برعکس، نو آبادیاتی نظام میں تہذیبی فتح بھی شامل تھی جو ذہنوں کو مسخر کرنے کے ذریعے حاصل ہوئی۔ ہندوستان میں برطانوی لوگ خود بھی حیران تھے کہ دور دراز سے آئی ہوئی ایک چھوٹی سی قوم کے مٹھی بھر لوگ اتنی بڑی آبادی کا انتظام کیسے سنبھال سکیں گے؟ نو آبادیاتی نظام تعلیم کے تحت پھیلائی گئی تعلیم نے اس تہذیبی سامراجیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ نو آبادیاتی تعلیم کا مقصد مغربی تعلیم یافتہ ایسی ہندوستانی اشرافیہ پیدا کرنا تھا جو برطانیہ کی مکمل وفادار ہو اور عوام پر حکمرانی کرنے کے لیے ان کی مدد کر سکے۔ اس وفاداری کو نظام تعلیم نے یقینی بنایا جس نے ان کے اندر مطلوبہ رویے اور اقدار پیدا کیں اور یہ غیر متزلزل یقین بھی پیدا کر دیا کہ برطانوی برتر ہیں (اور ہندوستانی کمتر ہیں)۔ یہ بالکل اس طرح تو نہیں ہے جیسے کتوں اور دوسرے جانوروں کو تربیت دینے کا معاملہ ہوتا ہے جنہیں بغیر چھڑی کے، اپنے مالک کی تابعداری کرنے کی تربیت دی جاتی ہے، لیکن یہ اس سے مشابہ ضرور ہے۔

یہ نظامِ تعلیم رائج کیا جا سکتا تھا کیونکہ بھولی ہندوستانی اشرافیہ (جنہیں عموماً نو آبادیاتی نظام کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکار کہا جاتا ہے) نے پہلے ہی برطانوی برتری کے دعوے کو دل و جان سے تسلیم کر لیا تھا۔ ۱۹ویں صدی کے آغاز میں مغربی اور غیر مغربی اقوام میں ٹیکنالوجی کے میدان میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں تھا۔ جنگ پلاسی ٹیکنالوجی کی کسی برتری کی وجہ سے نہیں جیتی گئی تھی۔ تاہم اس بات پر بحث ضرور ہوئی تھی کہ مغرب کی پیروی لازماً کی جانی چاہیے کیونکہ یہ برتر ہے۔ برتری کے دعوے کی وجہ یہ خراب تاریخ تھی کہ سائنس کی اصل مغربی ہے اور عملی طور پر مغرب ہی کی ملکیت ہے، جو کہ اب تک، لازماً، برتر ہی چلا آ رہا ہے۔ اس بُری تاریخ کو اس برے فلسفے نے مزید جلا بخشی جس کا دعویٰ تھا کہ ریاضی اور سائنس میں مغرب کا طریقہ کار عالمگیریت کا حامل ہے جبکہ دوسرے طریقے بے کار یا کمتر ہیں۔ عالمگیر علم کے اصل مالک ہونے کی بنا پر مغرب نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ دنیا پر حکمرانی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ دوسروں کی واحد خوبی صرف یہی ہے کہ وہ کتنے اچھے طریقے سے مغرب کی پیروی کر سکتے ہیں۔

مغرب کی غیر متشدد طاقت کی اصل کا یہ فہم اسے منہدم کرنے کے لیے قدم بقدم طریقہ کار کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس طریق کار کا آغاز تاریخ کی درستی، فلسفے میں تبدیلی اور تعلیم کو ایک نئی زندگی دینے سے ہونا چاہیے۔ بالآخر اس لائحہ عمل کو وسعت دے کر سائنس کی تصدیق کرنے کے موجودہ طریقے کو تبدیل کر دینا چاہیے۔

پہلا قدم تو سائنس کی مغربی تاریخ کی اغلاط کی درستی ہے۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ محض غیر مغربی سائنسی کارناموں کو نمایاں کر کے یہ کام سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً غیر مغربی سائنسی کارناموں کو اجاگر کرنا بھی بہت اہم ہے لیکن صرف اتنا کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ ماضی میں کی جانے والی ایسی کوششوں سے سائنس کی تاریخ کا 'دھارا' تبدیل نہیں کیا جا سکا۔ مثال کے طور پر کم از کم پچھلے ۶۰ سالوں سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کوپرنیکس محض ایک پادری تھا جس نے ابن شاطر اور نصیر الدین طوسی (مراغہ سے تعلق رکھنے والے) کی کتب کا ترجمہ ان کی (بازنطینی) یونانی سے لاطینی زبان میں کیا تھا۔ لیکن عوام کا اب بھی یہ خیال ہے کہ کوپرنیکس ایک عظیم سائنسدان تھا۔ مغربی سائنس کے بہت سے مؤرخ اب بھی 'کوپرنیکس کے انقلاب' کے متعلق ہی بات کرتے رہتے ہیں اور یوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محسوس کراتے ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مغربی تاریخ کو درست کرنے کی کوئی بھی کوشش تعصب کا دوسرا نام ہے۔ موخرالذکر یقین کو ان غیر مغربی لوگوں نے بھی ہوا دی ہے جو بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ بہرصورت، ایسی تمام اطلاعات مغرب کی جانب سے یکسر مسترد کر دی جاتی ہیں۔

چنانچہ، کرنے کا اصل اور سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مغربی تاریخ کے جھوٹ کو درست کیا جائے۔ موجودہ تعلیمی سامراجیت کی بنیاد اس فارمولے پر ہے ''مغرب پر بھروسہ کرو''۔ یہ فارمولا مغرب کے نظریے کے فروغ اور پروپیگنڈے کی چابی ہے اور یہ پروپیگنڈا سامراجیت کی عمومی شکل کے لیے انتہائی اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ایسے یقین کے بغیر تو مغربی پروپیگنڈا ناکام ہو جائے گا۔ اس پروپیگنڈے کا انکار کرنے کے لیے اس بات کا عملی مظاہرہ کرنا بہت ضروری ہے کہ مغرب پر یہ یقین اور بھروسہ غلط ہے۔

تاہم، اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ مغربی سائنسی تاریخ کا جھوٹ محض ماضی کی چند مثالوں تک محدود نہیں ہے۔ یہ اغلاط تو بہت وسیع اور بہت منظّم ہیں اور ان کا دائرہ حال تک پھیلا ہوا ہے۔ اس بات کا اظہار، چوٹی کے عصری سائنسدان، جنہیں اعلیٰ ترین تسلیم کیا جاتا ہے، جیسے آئن اسٹائن، کی حقیقت سامنے لانے سے ہوتا ہے۔ میں نے کتب کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے 'سائنس کے غلط خدا!' 'False gods of Science' جس کا خلاصہ میری کتاب 'کیا سائنس اپنی اصل میں مغربی ہے؟' 'Is Science Western in origin?' میں درج ہے۔

اگرچہ مغرب کے جھوٹ کو سامنے لانا ضروری ہے، مگر یہ کافی نہیں ہے۔ مغرب نے نامعقول ترین جھوٹی باتوں کو اتنے طویل عرصے تک زندہ رکھا ہے کہ ان کے سامنے لانے کے خلاف ایک طرح کی حکمت عملی واضح ہو چکی ہے۔ ان جھوٹی باتوں کا بھرم قائم رکھنے کے لیے مزید نئے جھوٹ بولے جاتے ہیں مثلاً اس شخص کی شخصیت کے متعلق جھوٹ، جو ان کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرے۔ بہت سے مغربی سائنسدان اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ تاریخ کے ضمن میں جھوٹ کو قائم رکھیں اور اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروان چڑھاتے رہیں۔ چنانچہ مغرب کے جھوٹ کی قلعی کھولنا، جتنی شدت سے جتنے وسیع پیمانے پر ہو سکے از بس ضروری ہے۔ انفرادی سطح پر لوگ تاریخ کی ان اغلاط یا غلط بیانیوں سے پردہ اٹھا سکتے ہیں اور اس پردہ اٹھانے کے عمل کا زور و شور سے اعلان کرنے کے لیے اجتماعی کوشش ہونی چاہیے۔ بصورت دیگر یہ بہت آسان سی بات ہوگی کہ ایسا کرنے والے شخص کو شدت پسند اور عصبیت زدہ قرار دے دیا جائے۔

اس سلسلے کا دوسرا اقدم اس برے فلسفے کو سمجھنا اور اس کا رد کرنا ہے جو غلط تاریخ کو مدد فراہم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ریاضی کا اصل طریقہ کار صرف مغربی ہے اور صرف اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ مغرب کی پیروی کے اس 'فلسفیانہ' مطالبے کا نظریات کی تاریخ پر ایک اثر ہے۔ کیونکہ یہ غیر مغربی سائنسی کارناموں کو اس بنا پر کہ ان میں مغربی نظریات و تصورات کی تقلید نہیں کی گئی، بڑی آسانی سے رد کر دیتا ہے اور انہیں غیر اہم بنا دیتا ہے۔ (مثلاً نیوٹن سے پہلے پیش کیا جانے والا حساب کتاب کا ایک خاص طریقہ (Indian Calculus) آج اس وجہ سے رد کیا جاتا ہے اور 'اصل طریقے سے قبل کا' (Pre-Calculus) کہہ کر محض اس وجہ سے پکارا جاتا ہے کہ وہ 'حدود' (Limits) کے موجودہ مغربی طریقے کی پیروی نہیں کرتا)۔ مزید برآں، پیروی کے اس مطالبے کی وجہ سے دوسری تہذیبوں کے عقائد کی تحقیر کرنے کے لیے سائنس ایک ہتھیار کا کام کرتی ہے۔ عیسائی مشنریوں کی واضح دلیل یہ تھی کہ ہندو، مسلمان اور دوسرے تمام غیر عیسائی عموماً توہم پرستی کا شکار ہیں جبکہ عیسائی اس کے برعکس ہیں، جو بڑے حقیقت پسند ہیں۔[1]

اسی سلسلے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ایسے مغربی تعلیم یافتہ افراد چنے جائیں جنھوں نے مغربی برتری کے عقیدے کو دل سے قبول کر لیا ہے، اگر چہ ان کی نیت نیک ہی ہو۔ مثلاً پاکستانی طبیعیات دان پرویز ہود بھائی آج اس امر پر بحث کر رہا ہے کہ اسلام میں سائنسی ترقی الغزالی کی وجہ سے جمود کا شکار ہوئی۔ جیسا کہ میں ایک اور جگہ تبصرہ کر چکا ہوں[2]، ہود بھائی کے دعوے کا عجیب پہلو یہ ہے کہ وہ جن حالات اور مفروضات کو "سائنس کی صورت گری کرنے والے بنیادی عوامل" قرار دیتا ہے وہ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل صلیبی جنگوں کے بعد کی عیسائی عقائد کی صورت گری کرنے والے خیالات تھے۔ جنہیں صلیبی جنگوں کے دوران میں چرچ نے اختیار کرنا سیاسی لحاظ سے آسان محسوس کیا۔ یہ مذہبی عقائد مغرب میں ریاضی، سائنس اور اس کے فلسفے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے۔ درحقیقت، ان تمام میدانوں یا حدود کا بآسانی انکار کیا جا سکتا ہے اور ان مضامین سے مذہبی تصورات ختم کردینے سے بہتر ریاضی، سائنس اور سائنس کے بہتر فلسفے کی جانب بڑھا جا سکتا ہے، جیسا کہ میں دکھا بھی چکا ہوں۔ بہرصورت، مشنریوں کا پوشیدہ پیغام مغربی (یقیناً مابعد صلیبی جنگیں) اقدار کو اپنانا ہے جو سامراجیت کے لیے بھی موزوں ہوں۔ یہ پورا معاملہ ذرا الجھا ہوا ہے، اور میں کسی اور جگہ پر اس پر تفصیلاً بحث بھی کر چکا ہوں۔[۳] اس وقت میں اس معاملے میں نہیں پڑوں گا (کہ سائنس سامراجی اقدار کا ایک ذریعہ ہے)۔ میں صرف اس بات کی جانب اشارہ کروں گا کہ غیر مذہبی ریاضی کو پڑھانا کیوں بہتر ہے؟

تعلیمی سامراجیت کے خلاف تیسرا قدم، اور بہت اہم قدم نوآبادیاتی تعلیمی نظام کا خاتمہ ہے جو لوگوں کو ایک خاص ذہن دیتا ہے۔ اور اب تک تعلیم کو نوآبادیات سے پاک کرنے کی ضرورت صرف سیاسی تاریخ یا سماجی علوم کے تناظر میں ہی سمجھی گئی ہے۔ ٹھوس سائنس (Hard Sciences) میں مغرب کی پیروی کرنا اسی طرح رائج ہے۔ چنانچہ اب یہ موقع ہے کہ تعلیم کو نوآبادیات سے پاک کرنا اور اس کے متبادل پیش کرنا اہم ترین معاملہ بن چکا ہے۔

چونکہ ریاضی، سائنس کی جڑوں کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا یہ ایک اچھا خیال ہے کہ تعلیم کو نوآبادیات سے پاک کرنے کی ابتداء ریاضی سے کی جائے۔ چونکہ مغرب کی تقلید کو 'ترقی پسندی' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ نوآبادیاتی دور سے چلا آ رہا ہے، اس لیے اس بات کا مظاہرہ کرنا بھی بہت ضروری ہے کہ ریاضی کو غیر نوآبادیاتی کرنا 'رجعت پسندی' کی جانب قدم نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے عملی فائدہ حاصل کرنے کی جانب ایک قدم ہے اس کا صرف ایک ہی نقصان ہے کہ مغربی ذہن سازی نہیں ہو سکے گی۔

اس ذہن سازی یا تبلیغ کا ایک اہم پہلو دو متضاد دعووں پر یقین پیدا کروانا ہے یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) 'ریاضی ایک عالمگیر مضمون ہے' (ب) 'ریاضی کا آغاز یونانیوں نے کیا' اور دوسری تہذیبوں کو ریاضی کے درست طریق کار کا حقیقی علم بالکل نہ تھا۔ اب یہ تو بڑی ابتدائی قسم کی عقلی بات ہے کہ اگر (الف) دعویٰ سچا ہے اور ریاضی درحقیقت عالمگیر ہے تو (ب) کو غلط ہونا چاہیے کیونکہ پھر تو ریاضی کو ہر جگہ یکساں انداز میں شروع ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کتنے ہی لوگ جو نہ تو ریاضی کو جانتے ہی اور نہ اس کی تاریخ اور فلسفے کو — ان دونوں دعووں پر یقین رکھتے ہیں جو عقلِ عام ہی کے خلاف ہیں، اس قسم کے متضاد عقائد کی بنیاد جہالت پر ہے جو توہم پرستی اور وعظ و آموزش کا خاصہ ہیں۔ درحقیقت، یہ دونوں عقائد (الف) اور (ب) صلیبی جنگوں کے دوران شروع ہوئے کیونکہ سیاسی اعتبار سے چرچ کے لیے یہ بڑے آسان عقائد تھے۔

چنانچہ، اس کا حل یہ ہے کہ عملی اور تدریسی مظاہرے کے ذریعے ایسے مغربی توہمات کا توڑ کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمام عناصر (ایک نئی تاریخ، ایک نیا فلسفہ، ایک نیا طریقہ تدریس، نتیجتاً عملی اقدار کا حصول) اس پانچ روزہ کورس کے ذریعے حاصل کیے جاسکیں گے جو میں Calculus without Limits کے نام سے کروا رہا ہوں۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ریاضی کی تدریس، آج مشکل اس لیے ہے کہ مغرب میں اس کو ریاضی کے ساتھ مذہبیت بھی مل چکی ہے۔ لہٰذا، سائنس کو غیر مذہبی بنا کر اسے پڑھانا بہت آسان ہے۔

تدریس کے ایسے نمونوں یا مظاہر کی وسیع پیمانے پر تشہیر، اس کا بار بار اعادہ کرنا، اور اسے 'عمومی' تعلیمی نظام کا حصہ بنانا اور اس وہم کا خاتمہ کرنا کہ مغرب کی پیروی کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے، بہت ضروری ہے۔ اس وہم کو نوآبادیاتی نظامِ تعلیم نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا۔ متبادل تدریس کے ایسے مظاہرے مغرب کو الجھن اور پریشانی میں ڈال دیں گے۔ یا تو یہ ریاضی کے میدان سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لے گا جسے یہ عمل تدریس میں اہم ترین مضمون سمجھتا ہے (جیسا کہ اوباما انتظامیہ کے تازہ ترین بجٹ سے ظاہر ہے) یا اسے اپنے پسندیدہ مذہبی عقائد کو چھوڑنا ہوگا۔ وہ عقائد جن پر صلیبی جنگوں کے بعد سے مغربی فلسفے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بعد والا معاملہ آسان نہیں ہے چنانچہ غیر مغربی اقوام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقابلتاً یہاں ایک فائدہ ہے۔

Calculus (ریاضی کا ایک شعبہ) پر یہ کورس، اصل سائنس کے میدان میں تعلیم کو نوآبادیات سے پاک کرنے کی جانب محض پہلا قدم ہے (اور اکثر پہلا قدم ہی سب سے مشکل ہوتا ہے)۔ اگر پہلا قدم اٹھا لیا جاتا ہے تو جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ ایسی ہی دوسری تبدیلیاں بھی ممکن ہیں مثلاً جیومیٹری اور الجبرا کے میدان میں۔ سائنس کے دوسرے مضامین جیسے طبیعیات (Physics) یا حیاتیات (Biology) بھی مغربی نظریات سے آلودہ ہیں جس کا عملی اقدار پر منفی اثر پڑتا ہے اور سائنس کے ان مضامین میں مذہب کے عمل دخل کو سامنے لانا ضروری ہے کم از کم جہاں پر یہ بہت ہی واضح ہو رہا ہوتا ہے جیسے نیوٹن (Newton) یا سٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کی کتب —اور ان مضامین کی عملی اقدار کو ان کے نظریاتی متن سے الگ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

اس سلسلے کا چوتھا اور آخری قدم اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کی سطح پر مغرب کی تعلیمی طاقت کے ڈھانچے کا بتدریج خاتمہ ہے۔ کیونکہ یہ اسکول اور ثانوی سطح کی تعلیم پر بہت زیادہ اور مستقل دباؤ ڈالتا ہے۔ یہاں معلومات کی سیاست بہت زیادہ پیچیدہ ہے اور پہلے تین اقدام کے برعکس، اس قدم کو بتدریج اٹھانا زیادہ بہتر ہوگا۔

اس جانب، فی الوقت بہت سی پیش قدمی ممکن ہے حتیٰ کہ مغرب کے بہت سے لوگ بھی جرائد کی اشاعت کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے طاقت کے موجودہ ڈھانچے/ نظام سے گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ اگرچہ ان جرائد کے گہرے مگر اندھے جائزوں کو کوالٹی کنٹرول کے نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس کا بڑا واضح غلط استعمال بھی ہوتا ہے جیسے رومن کیتھولک کے اعترافات، اور اسے بجا طور پر قطع و برید سے قبل کا قرار دیا جاتا ہے۔ arxiv جیسے نظام، جو علم پھیلانے کا متبادل ذریعہ ہیں، کافی عرصے سے موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ان متبادل نظاموں کو بھی بہت محدود ہونے کا کہہ کر چیلنج کیا جاتا ہے جس سے مزید نئے متبادل جیسے vixra جیسے نظام سامنے آئے ہیں۔

آج کل کے ڈیجیٹل دور میں (جہاں اشاعت پر بہت کم لاگت آتی ہے)، معیار کو بہتر بنانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے، اشاعت کے بعد کی عوامی بحث کو ایک مستقل رواج کی شکل اختیار کر لینی چاہیے۔ ایسے مباحث کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے مثال کے طور پر ثالثین (Referees) سے رائے (اور مصنفین سے جواب الجواب لے کر) اور یہ vixra جیسے نظام میں کیا جا سکتا ہے۔ تبصرہ نگاروں کو زیادہ وقت خرچ نہیں کرنا پڑے گا (اگر وہ واقعی سنجیدہ تھے تو جتنا وقت انہیں پرانے نظام میں لگتا تھا اس کی نسبت) لیکن اس سے مباحثے کے معیار میں بہتری آئے گی۔ مزید برآں، حقیقت یہ ہے کہ نت نئے خیالات سامنے آنے سے تبصرہ نگار، اکثر اوقات، زیادہ غلطیاں کرتے ہیں اور اس نظام میں ایسی غلطیوں کی اصلاح کی گنجائش موجود ہے، ایسے نظام قائم کرنا بہت سادہ سا معاملہ ہے۔ جسے خود مختار ریاستیں (حتیٰ کہ جامعات اور چھوٹے ادارے بھی) بآسانی قائم کر سکتے ہیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ فعالیت کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کریں۔

اس کے علاوہ، سائنس کے تجارتی جرائد کے ناشرین جیسے Springer ،Macmillan، Elsevier وغیرہ کا زور توڑنے کی ضرورت ہے۔ سائنسی معلومات لوگوں کے دیے ہوئے فنڈز کے ذریعے کی جانے والی تحقیق سے حاصل ہوتی ہیں — انہیں کاپی رائٹ یا اشاعت کے جملہ حقوق کے ذریعے ان ناشران کتب کی ذاتی ملکیت کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اگر یہ ناشر محض ان جرائد کی اشاعت پر اٹھنے والے اخراجات وصول کرتے ہیں تو وہ اس عمل میں حاصل ہونے والے منافع کی مقدار کو چھپاتے کیوں ہیں؟ حکومتی ایجنسیاں اس خام خیالی کی کیوں حوصلہ افزائی کرتی ہیں کہ کسی بھی سائنس دان کے بڑے پن کا ثبوت ایسے تجارتی جرائد میں ان کے مضامین کی اشاعت ہے، عوامی رقوم سے بننے والے سائنس دانوں کو اس بات کی اجازت کیوں دی جاتی ہے کہ وہ ان تجارتی جرائد کے لیے بلا معاوضہ تبصرہ نگاری کریں؟ ان تمام رشوتوں اور مراعات کا خاتمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

سائنسی جرائد کے تجارتی ناشرین کو اپنی بقا کے لیے کام کرنے کی آزادی ہے۔ لیکن یا تو وہ اپنے بل بوتے پر ایسا کریں یا ختم ہو جائیں۔ جرائد کے ان ناشرین کو ان معلومات کو پھیلانے کی اب مزید کوئی ضرورت نہیں، جو معلومات بآسانی اور بہتر طور پر ڈیجیٹل طریقے سے [مثلاً انٹرنیٹ کے ذریعے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے] پھیلائی جاسکتی ہیں۔ خاص طور پر عوامی رقوم کے ذریعے لکھے جانے والے تحقیقی مقالہ جات، حتیٰ کہ جوان تجارتی جرائد میں بھی شائع ہوتے ہیں، تک مفت عوامی رسائی کے لیے تصنیفی حقوق کے قوانین میں اصلاح ہونی چاہیے۔ اس کی بدترین صورتحال یہ ہوسکتی ہے کہ ایسے جرائد کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ کی اجازت ہونی چاہیے اس کے بعد عوام کی مکمل رسائی (ان مضامین تک) حاصل ہو۔

جیسا کہ سائنس کی تاریخ کا بھی معاملہ ہے، ایسے متبادل اقدامات کے ساتھ ساتھ مغربی توثیق کے موجودہ نظام کی تہہ میں پوشیدہ غلط بیانیوں کو سامنے لانا بھی بہت ضروری ہے۔ توثیق کا ایک ایسا ہی نظام، کسی مغربی معاشرے کی رفاقت بھی ہے۔ یہ اکثر اوقات اس معاشرے کے کسی نمایاں فرد سے قربت پر منحصر ہوتا ہے لیکن بلا امتیاز اسے سائنسی کامیابی کا ایک پیمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسی توثیق سے وہ فرد خود اپنے معاشرے میں مضبوط ہوتا ہے، وہ اپنے ممالک میں سائنسی اعتبار سے کی جانے والی فیصلہ سازی پر منفی انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ چلیے ایسا کرتے ہیں کہ ہم کسی کو ان سائنسدانوں کے متعلق مطالعہ کرنے کو کہتے ہیں جن کی توثیق مغرب کر چکا ہے، اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی میں ان کے سائنسی کارناموں کا، ان کے معاشروں کو کیا عملی فائدہ ہوا؟ اس چیز کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ جب ان سائنس دانوں نے حکومتی کمیٹیوں میں کام کیا تو ان کی تجاویز کا فائدہ کن کو ہوا؟ بھارت میں اس قسم کے مطالعے کے لیے مثال کے طور پر ماشیلکر (Mashelkar) اور نارلیکر (Narlicar) کے نام موزوں ہوں گے۔

مغرب کی حتمی توثیق نوبل انعام ہے۔ اس توثیق کی سیاست کو امن، ادب اور معاشیات کے میدانوں میں انعامات دے کر بہت بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ حقیقی سائنس کے میدان میں تو یہ توثیق بہت ہی زیادہ وزنی گردانی جاتی ہے اگرچہ دوسرے میدانوں میں بھی یہی طریقہ کارکارفرما ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس طریقہ کار کو پرکھنے کی کبھی کوئی غیر مغربی کوشش نہیں ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے مطالعہ سے کم از کم یہ احساس تو ہوجائے کہ مغربی توثیق سائنسی کامیابی کی کنجی نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی اور جگہ سے دیے جانے والے متبادل انعامات فیصلہ سازی کے لیے زیادہ شفاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقہ کار اپنائیں۔

توثیق کا ایک اور عام نظام نام نہاد 'اثر اندازی کا پیمانہ' یا 'Impact Parameter' ہے جو کسی جریدے کی درجہ بندی سے متعلق ہے۔ یہ بظاہر اس بات کو کہنے کا معروضی طریقہ ہے کہ محض بنظرِ غائر تبصرہ نگاری ناکافی ہے، جب تک یہ تبصرہ نگار مغربی (یا ان کے وابستگان) نہ ہوں۔ اس موضوع پر یہاں تفصیل سے بات کرنا مناسب نہیں لیکن محض دو نکات سامنے رکھنا چاہوں گا۔ ایک تجارتی جریدے کے لیے (جرائد کی درجہ بندی کے) ایسے اشاریے کا تو کچھ جواز بھی بنتا ہے کیونکہ ناشرین کو صرف اپنے گاہکوں سے غرض ہوتی ہے جو سائنس دان ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے رسالوں کی توجہ خود بخود سائنسی تحقیق کی جانب مائل ہو جاتی ہے جو کہ ظاہر ہے ان تجارتی پبلشرز کے حق میں جاتی ہے۔ تاہم حوالہ جاتی اشاریہ، مغرب میں سماجی مقبولیت کا متعصب ترین پیمانہ ہے۔ ان سادہ نمبروں کو ناپنے کا 'سائنسی طریقہ کار' جس کے متعلق سب بڑے لوگ رطب اللسان ہیں، بالآخر عملی شکل میں اسے محدود کر دیا گیا ہے۔ ان 'بہت زیادہ زیادہ اثر انداز ہونے والے' جرائد میں اشاعت کا انحصار تبصرہ نگاروں اور ادارتی بورڈ — جن کا تعلق مغرب ہی سے ہوتا ہے — کی توثیق پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عمل میں سماجی رابطوں کا بھی انتہائی اہم کردار ہے۔ مثلاً یہ جرائد غیر مغربی علم سے پہلو بچائیں گے۔ اس طرح سائنسی اہمیت کو ناپنے کا صرف ایک ہی پیمانہ یعنی مغربی توثیق باقی رہ جاتا ہے۔ درحقیقت، اگر آپ عملی اہمیت جانچنا چاہتے ہیں، تو کسی سائنسی نظریے کا فیصلہ مختلف انداز میں یعنی اس کی سماجی مقبولیت سے قطع نظر، کرنا ہوگا۔ اور اس نظریے کو طویل عرصے تک معاشرے پر مجموعی اثرات کے حوالے سے (نہ کہ جرائد کے گاہکوں کی تعداد) کے حوالے سے جانچنا ہوگا۔ نئے خیالات اکثر اوقات پیچیدہ ہوتے ہیں جنہیں سائنس سے تعلق رکھنے والے حضرات کچھ وقت لے کر ہی ہضم کرتے ہیں۔

بہت سے مزید اقدام بھی ممکن ہیں۔ مثال کے طور پر، یہ ایک اچھی بات ہے کہ بین الاقوامی جرائد، کانفرنسوں اور سوسائٹیز کے لیے بین الاقوامی نمائندوں پر مشتمل منتخب کرنے والی کمیٹی ہونی چاہیے۔ آج کے دور میں شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے تاہم میرا نہیں خیال کہ خود مختار ریاستوں کو اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافذ العمل کرنے کے لیے زور ڈالنا چاہیے کم از کم ابھی تو بالکل نہیں — اس کے بجائے، سائنس کی اخلاقیات کے ضمن میں، اس پر بحث ومباحثہ کرنے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔

ان اقدامات کو اٹھانے کا وقت اور ان کی ترتیب کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر مغرب کی سائنسی تاریخ اور فلسفے کو پہلے نمبر پر (اور مستقل طور پر) چیلنج نہ کیا گیا تو تعلیمی نظام میں تبدیلیوں کے خلاف مزاحمت ہوگی۔ اور جب تک تعلیمی نظام کو بدل نہ دیا جائے، اور سائنس کی ابتدائی تعلیم میں مغربی وعظ وتلقین اور آموزش کو جڑ سے اکھاڑ نہ پھینکا جائے تو جو لوگ اس تعلیم کے ساتھ بڑے ہوں گے، وہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کی سطح پر کسی بھی قسم کی تبدیلی کی مزاحمت کریں گے۔

[یہ مضمون سی کے راجو کی کتاب 'تعلیمی سامراجیت کا خاتمہ ایک آغاز' (Ending Academic Imperialism: A Beginning) سے لیا گیا ہے۔]

(ترجمہ: منزہ صدیقی)

Source: Third World Resurgence No. 266/267, October/November 2012, pp 56-59

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

......حواشی......

۱۔ میں یہاں اِس مشنری پوزیشن کی دلچسپ تاریخ میں نہیں جانا چاہتا جو صلیبی جنگوں سے بہت پہلے تک جاتی ہے۔ تاہم پوپ کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف تازہ استعمال ہونے والی اس دلیل کے جواب میں میرا نقطۂ نظر جاننے کے لیے دیکھیے:

CK Raju, 'Benedict's Maledicts', ZNet:

http://www.zcommunications.org/benedicts-maledicts-by-c-k-raju. (Accessed on 19 March 2011.) Reprinted in *Indian Journal of Secularism*, 10(3) (2006), 79-90.

۲۔ یہ تبصرہ اسلام اینڈ سائنس میں بھی شائع ہوا۔ دیکھیے:

'Islam and Science: a response to Pervez Hoodbhoy', December 2009,

http://ckraju.net/blog/?p=40.

3. CK Raju, *The Eleven Pictures of Time*, Sage, 2003.

© rasailojaraid.com